21

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ
کی لطیف تفسیر

(فرمودہ 6 جولائی 1945ء بمقام بیت الفضل ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد سورۃ آل عمران کی درج ذیل آیت تلاوت کی:

''اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔1'' یہ آیت قرآن مجید میں سورۂ آل عمران میں عیسائیوں کے مباحثہ کے ذکر میں آتی ہے اور مختلف رنگ میں لوگوں نے اس کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس کے الفاظ اور اس کی عربی پر پورا غور نہ کرنے کی وجہ سے اس کے صحیح معنی نہیں سمجھ سکے۔ غالباً غور تو کیا ہو گا۔ لیکن غور کے باوجود اصل مضمون کی طرف نہیں گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک چیز ذہن پر غالب ہوتی ہے اور وہ انسان کو الفاظ کے صحیح مضمون کی طرف جانے سے روک دیتی ہے۔ اور غالباً اِسی وجہ سے مفسرین کا ذہن اس طرف نہیں گیا۔ اس آیت کے معنے یہ کئے جاتے ہیں کہ عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمؑ کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو جا۔ اگلے الفاظ کے معنی بِلا ساختہ بغیر الفاظ کی طرف نظر کئے یہ کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر وہ ہو گیا۔ حالانکہ عربی زبان میں یَکُوْنُ کے معنی

"ہو گیا" کے نہیں ہوتے۔ مضارع جب امر کے مقابلے میں آئے تو اس کے دو معنے ہوتے ہیں ہوتا ہے یا ہو جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے لفظ کُنْ کہا یعنی ہو جا۔ تو اس کے نتیجہ میں فَیَکُوْنُ آیا ہے۔ پس یَکُوْنُ کے یا تو یہ معنے ہیں کہ پھر خدا تعالیٰ کے حکم کے نتیجہ میں ویسا ہی ہوتا جارہا ہے اور ہوتا جائے گا۔ اور یا پھر یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کُنْ کہا اس لئے اب وہ امر جس کے بارہ میں ایسا کہا تھا ضرور ہو کر رہے گا۔ یہی معنی ماضی اور امر کے بعد کے مضارع کے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ ان دونوں معنوں کے سوا عربی زبان میں اس کے اور کوئی معنے نہیں ہوتے اور نہ عقلاً ہو سکتے ہیں۔ اردو زبان ہی کو لے لو اگر کوئی شخص یہ فقرہ کہے کہ میں نے زید سے کہا کہ چلا جا سو وہ چلا جائے گا۔ تو اس کے معنے کبھی بھی کوئی شخص یہ کر سکتا ہے کہ وہ چلا گیا یا یہ کہے کہ میں نے زید سے کہا پڑھ سو وہ پڑھ رہا ہے۔ تو اس کے کبھی بھی یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ کسی سابق زمانہ میں پڑھ چکا ہے۔ مضارع حال یا استقبال کے لئے آتا ہے۔ اور حال جب ماضی کے جواب میں آئے تو اس کے معنے استمرار کے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ فعل زمانۂ ماضی سے شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔ جب یہ ذکر ہو کہ زمانہ ماضی میں کسی نے حکم دیا تھا اور اس کے نتیجۂ امر کے جواب میں فعل مضارع آئے تو اس فعل مضارع کو استعارةً بھی ماضی کے معنوں میں استعمال نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ صرف حالِ استمراریہ یا مستقبل کے معنے دے گا۔ لیکن گزشتہ لوگ اس جگہ یَکُوْنُ کے معنی ماضی کے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ مطلب لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آدم سے کہا کہ ہو جا سو وہ ہو گیا۔ حالانکہ ماضی میں دیئے جانے والے اَمر کے جواب میں جو مضارع آئے اس کے معنے ماضی کے کبھی نہیں کئے جا سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ ماضی کا واقعہ بیان فرماتا تو یوں فرماتا کہ قَالَ اللّٰہُ کُنْ فَکَانَ۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہو جا سو وہ ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے فَیَکُوْنُ۔ پس وہ ہو جائے گا یا ہوتا چلا آرہا ہے۔ اب ان معنوں کو مدنظر رکھ کر آیت کے وہ معنے کرو جو مفسرین نے کئے ہیں۔ یعنی اس آیت کو آدمؑ اور مسیحؑ کی محض پیدائش کے متعلق سمجھو تو آیت کا یوں ترجمہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسیح کی مثال آدمؑ کی طرح ہے۔ اسے اس نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے کہا ہو جا سو وہ ہو جائے گا یا یہ کہ ہوتا چلا آرہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ معنے بالکل بے جوڑ ہیں۔ آدمؑ اور مسیحؑ دونوں ہزاروں سال پہلے پیدا

ہو چکے ہیں۔ پس آیت کے یہ معنے کرنے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا پیدا ہو جا چنانچہ وہ پیدا ہو جائے گا یا پیدا ہو تا چلا جائے گا ایک بِالبداہت طور پر غلط بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے۔ اس مشکل کا حل دو ہی طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو ہم یہ سمجھیں کہ یَکُوۡنُ کے اس جگہ معنے ماضی کے ہیں۔ یا یہ سمجھیں کہ اس آیت میں پیدائشِ جسمانی کا ذکر نہیں بلکہ کسی اَور قسم کی پیدائش کا ذکر ہے۔ سو میں یہ پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ اس موقع پر کسی طرح بھی یَکُوۡنُ کے معنے ماضی کے نہیں کئے جا سکتے۔ پس یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم اس آیت میں پیدائشِ جسمانی کے معنے نہ لیں بلکہ کوئی اَور معنے لیں۔ اور وہ معنے ہوں بھی ایسے جو ایک طرف تو تواتر پر دلالت کریں اور دوسری طرف ان کی رو سے مسیحؑ کی الوہیت پر بھی زد پڑتی ہو۔ مگر ان معنوں میں سے جو مفسرین نے بیان کئے ہیں کوئی بھی اِن شرائط کو پورا نہیں کرتا۔

مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک معنے سمجھائے ہیں جو اِن دونوں شرطوں کو پورا کرتے ہیں ان معنوں کے رو سے مضارع کے معنے ماضی کے بھی نہیں کرنے پڑتے اور عیسائیوں کے سب سے بڑے عقیدہ الوہیتِ مسیحؑ کی تردید بھی ان سے ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰؑ کے متعلق عیسائی لوگ یہ خیال پیدا کر رہے ہیں کہ عیسیٰؑ کسی غیر قسم یا غیر جِنس کے تھے۔ نہ پہلے کوئی ایسا وجود ظاہر ہوا اور نہ آئندہ ایسا وجود ظاہر ہو گا۔ اور سمجھتے ہیں کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا ان معنوں میں نہیں جن معنوں میں پہلے انبیاء خدا کے بیٹے تھے بلکہ ان کے اندر فِی الْحقیقت الوہیت کی صفات پائی جاتی ہیں۔ پہلے انبیاء کے لئے استعارۃً "خدا کا بیٹا" کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے مگر مسیحؑ کے لئے یہ لفظ حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ مسیح الٰہی صفات کا مالک ہے کہ نہ پہلے کسی میں وہ صفات پائی گئیں اور نہ آئندہ کسی میں پائی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ ہم بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی جنس کے لحاظ سے منفرد ہو اور کوئی اُس کا مثیل نہ ہو وہ الوہیت کی صفات اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس اگر مسیحؑ واقع میں ابنُ اللہ ہے اور جیسا کہ تم کہتے ہو خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ تو اکلوتے بیٹے کئی نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر استعارہ کے طور پر کسی کو اکلوتا بیٹا کہا جائے تو ایسے اکلوتے بیٹے متعدد ہو سکتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے اکلوتے بیٹے کے محض یہ معنے ہوں گے کہ جیسے کسی انسان کو اکلوتا بیٹا پیارا ہوتا ہے ایسا ہی وہ

شخص خدا تعالیٰ کو پیارا ہے۔ اِس لحاظ سے اس لفظ کا استعمال ایک سے زیادہ وجودوں کی نسبت درست اور جائز ہو گا۔ چنانچہ بائبل میں یہود کی نسبت بھی آتا ہے کہ وہ خدا کے بیٹے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کے اَور بیٹے ہوں اُس کے کسی بیٹے کو اکلوتا بیٹا نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر کہیں گے تو اس کے معنے صرف یہ ہوں گے کہ جس طرح ماں باپ کو اپنا اکلوتا بیٹا پیارا ہوتا ہے اُسی طرح وہ شخص خدا تعالیٰ کو پیارا ہے۔ اور باوجود اکلوتا بیٹا کہنے کے اس کے معنے یہ نہ ہوں گے کہ وہ اپنی اس صفت میں منفرد ہے۔ اور جب منفرد نہ رہا تو الوہیت کا سوال خود حل ہو گیا۔

غرض اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ عیسیٰ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آدم کی مثال۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کہا اب تُو ہوتا رہ یعنی تیرے جیسے اَور وجود پیدا ہوتے چلے جائیں۔ چنانچہ اُس کی نسل چل رہی ہے۔ آدم کے بعد اَور آدم اس کے بعد اَور آدم اور اس کے بعد اَور آدم ہوتے چلے جارہے ہیں۔ پس يَكُوْنُ کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہو گیا۔ یہ معنے عربی زبان کے خلاف ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے کہا کہ اے آدم! ہو جا یعنی نسلِ آدم دنیا میں چلے۔ فَيَكُوْنُ پس آدم کا ظہور ہوتا جارہا ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آدم کسی اور جنس کا تھا اور بیٹا کسی اور جنس کا ہے۔ جس طرح کا پہلا آدم تھا اُسی طرح اس کے بعد کا آدم تھا۔ اور اُسی طرح کا آدم اب بھی ہے۔ اس تعدّد اور تواتر کی وجہ سے کسی کو شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ آدمؑ منفرد وجود تھا اور وہ اپنے اندر خدائی صفات رکھتا تھا۔ خواہ وہ بِن باپ اور بِن ماں کے پیدا ہوا۔ لیکن چونکہ اس کی نسل چل رہی ہے اور اس کے مثیل پیدا ہوتے جارہے ہیں جو اس کی جنس سے ہیں اس لئے کسی کو آدمؑ پر خدائی کا شبہ نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰؑ کے متعلق بھی ہم نے یہی طریق جاری کیا ہے۔ یعنی عیسیٰ کو پیدا کر کے کہا کہ تُو ہو جا پس وہ ہوتا جارہا ہے۔ یعنی عیسویؑ وجود بار بار پیدا ہو رہے ہیں اور ہوتے چلے جائیں گے۔ پھر اِس میں اِس طرف بھی اشارہ ہے کہ آدم باوجود دوسرے آدمیوں کا باپ ہونے کے ان سب سے درجہ میں بڑا نہیں۔ حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ درجہ میں بڑے تھے، حضرت ابراہیمؑ حضرت آدمؑ سے بڑے تھے۔ اِسی طرح حضرت موسیٰؑ حضرت آدم سے بڑے تھے۔ اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف

لائے جو سب سے بڑے تھے۔ اسی طرح مسیحؑ کا حال ہے کہ عیسویت کے مقام کی ابتداء کرنے کی وجہ سے وہ سب سے بڑے مسیحؑ نہیں بلکہ جس طرح آدمیت کا کمال بعد میں ہوا اسی طرح عیسویت کا کمال بھی بعد میں آنے والے بعض وجودوں سے ہو گا۔ حضرت آدمؑ پہلے آدمی ہونے کی وجہ سے تقدمِ زمانی رکھتے ہیں۔ لیکن مقام کے لحاظ سے کیا نسبت ہے حضرت آدمؑ کو حضرت نوحؑ سے، کیا نسبت ہے حضرت ابراہیمؑ سے، کیا نسبت ہے حضرت موسیٰؑ سے اور کیا نسبت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِسی طرح ہم نے مقامِ مسیحیت کو کُنْ کہا ہے۔ اب اِس سے مسیحؑ پیدا ہوتے جائیں گے۔ اور بعض ان میں سے ایسے ہوں گے جو پہلے مسیحؑ سے بڑھ جائیں گے آدم کے بعد آنے والے سب آدم سے چھوٹے اور ادنیٰ نہیں تھے بلکہ آدم سے ادنیٰ بھی تھے اور آدم سے بڑھ کر بھی۔ اِسی طرح مسیحؑ کے بعد آنے والے مسیح سے ادنیٰ درجہ کے بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے بھی ہوں گے۔ جیسے ہم نے آدم کو پیدا کر کے کہا کہ اب تیری نسل چلے ایسا ہی ہم نے مقامِ عیسویت کو پیدا کر کے کہا کُنْ فَیَکُوْنُ کہ اب عیسوی صفات رکھنے والے پیدا ہوتے چلے جائیں۔

حضرت آدمؑ کے متعلق بھی خدائی کا شبہ ہو سکتا تھا کیونکہ وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے لیکن آگے ان کی نسل کے چلنے کی وجہ سے یہ شُبہ جاتا رہا۔ ایسے ہی مسیحؑ بے شک بِن باپ کے پیدا ہوئے لیکن اگر ایک وجود بھی ایسا ہو جائے جو مثیلِ مسیحؑ ہو بلکہ مسیحؑ سے بڑھ کر ہو تو مسیحؑ کی الوہیت باطل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے مثیلوں کا ایک سلسلہ چل پڑا جس طرح آدمؑ کی نسل سے بعض چھوٹے آدم ہوئے اور بعض بڑے آدم ہوئے اسی طرح مسیح کے بعد بعض چھوٹے عیسیٰ ہوئے اور بعض بڑے ہوئے۔ حضرت معین الدین چشتی فرماتے ہیں:

دم بدم روح القدس اندر معینے مے دمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم 2

یعنی روح القدس ہر وقت میرے کان میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ تُو عیسیٰ ثانی ہے۔ پس معین الدین صاحب چشتیؒ عیسوی مقام پر تھے اور عیسیٰؑ کی الوہیت کو ردّ کرنے والے تھے کہ

چھوٹے عیسیٰؑ تھے۔ جس طرح آدم کی نسل کے ہزاروں آدمی گو آدمؑ سے چھوٹے ہیں مگر آدمؑ کی الوہیت کو ردّ کر رہے ہیں۔ مگر جس طرح آدمؑ سے بڑے آدم بھی ان کی نسل سے پیدا ہوئے اسی طرح مسیحؑ سے بڑے مسیح بھی پیدا ہونے والے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے 3

جسمانی لحاظ سے چونکہ مسیح کو تقدم حاصل ہے اس لئے اُن کی عزت اور ادب ضرور کیا جائے گا جیسا کہ لوگ باپ دادا کی عزت کرتے ہیں۔ اگر ایک چرواہے کا بیٹا بادشاہ ہو جائے جیسے نادر خان ایرانی تھا اور اس کا باپ اُس کے سامنے آئے تو وہ ضرور اُس کی عزت کرے گا اور یہ عزت اور ادب بوجہ تقدمِ زمانی کے ہوگا نہ اُس سے درجہ میں بڑا ہونے کے سبب سے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میں مسیح کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ خدا نے مجھے اُس کا نام دیا ہے۔4

غرض اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی طرح ہے۔ آدم بے باپ تھا اور عیسیٰ بھی بے باپ کے پیدا ہوا۔ آدمؑ کو بعض خصوصیات حاصل تھیں ایسے ہی عیسیٰ کو بھی بعض خصوصیات حاصل تھیں۔ لیکن آدمؑ کی نسل کے تواتر نے اسے الوہیت کے مقام سے عبودیت کے مقام پر لا کھڑا کیا اور کوئی شخص بھی آدمؑ کو خدا نہیں سمجھتا۔ ایسے ہی اگر کوئی فرد ایسا ہو جو عیسویت میں عیسیٰؑ کے ساتھ روحانی مشابہت رکھتا ہو بلکہ مقام کے لحاظ سے اُن سے بڑھ جائے تو پھر بھی نہیں کہہ سکتے کہ عیسیٰؑ اپنے اندر منفردانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب آدمؑ کی طرح عیسیٰؑ کے بعد آنے والے روحانی لحاظ سے اُس سے بڑھ جائیں تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ عیسیٰؑ خدا تھا۔ اگر مسیح خدا کا بیٹا تھا تو اس سے بڑھ جانا کیونکر ممکن ہے۔ خدا نے آدمؑ کو مٹی کی حالت سے پیدا کیا۔ پھر اسے بڑھایا اور کہا اب تم اپنے آپ کو بار بار ظاہر کرو تا خدا تعالیٰ کی صفات جو تمہارے ذریعہ اس دنیا میں ظاہر ہوئیں وہ ختم نہ ہو جائیں۔ بلکہ وہ آئندہ زمانوں میں جاری رہیں اور بار بار ان کا ظہور ہوتا رہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے مقامِ عیسویت کو پیدا کیا اور پھر اس کا بار بار مختلف وجودوں کے ذریعہ ظہور

کیا۔ بعض ان میں سے مسیحؑ سے مقام کے لحاظ سے چھوٹے تھے۔ جیسے معین الدین صاحب چشتی اور بعض مسیحؑ سے بڑھ گئے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ تو ابتدائی حالات میں بعض چیزوں کو ایک منفردانہ حیثیت حاصل ہوتی ہے لیکن جب وہی چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار تواتر کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں تو پھر ان کی وہ حیثیت نہیں رہتی۔

پس کُنْ فَیَکُوْنُ تعدّد اور تواتر پر دلالت کرتا ہے۔ خدا نے کہا ہو جا چنانچہ دیکھ لو کہ ہو رہا ہے۔ ایک آدمؑ، کے بعد دوسرا آدمؑ دوسرے کے بعد تیسرا آدمؑ اور اِسی طرح یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے عیسوی مقام کے متعلق کہا کُنْ یعنی ہو جا اور پھر فرمایا فَیَکُوْنُ پھر ویسا ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور دیکھ لو کہ بار بار عیسوی مقام ظاہر ہو رہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا اور اس میں تعدّد اور تواتر پایا جائے گا۔ اور جب تعدّد پایا گیا تو مسیحؑ حقیقی معنوں میں خدا کا اکلوتا بیٹا نہ رہا کیونکہ اکلوتا بیٹا تو ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

اِس مثال کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اِس طرف اشارہ کیا کہ تم ابنِ مریم کو خدا نہ کہنا جبکہ اس کے مثیل کو تم دیکھ رہے ہو۔ اِسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

غرض اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کی مثال آدمؑ کے ساتھ اس لئے دی کہ آدمؑ سے صفاتِ الٰہیہ کا ظہور شروع ہوا۔ لیکن آدمؑ کے بعد آنے والے آدمؑ سے بڑھ گئے۔ اِسی طرح عیسیٰؑ سے مسیحیت کا دَور شروع ہوا مگر بعد میں آنے والے اُن سے بھی بڑھ گئے۔ آدمؑ کی پیدائش کی غرض بے شک یہ تھی کہ ان کے ذریعہ صفات الٰہیہ کا ظہور ہو۔ مگر الٰہی منشاء یہ نہ تھا کہ پہلا آدمؑ پیدائشِ آدمؑ کے مقصود کو اَتمّ صورت میں ظاہر کرنے والا ہو بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس کی نسل میں سے اور اُس کی اولاد میں سے آدمؑ کی صفت کو ظاہر کرنے والے اَتمّ وجود پیدا ہوں۔ اِسی طرح عیسیٰؑ کے ذریعہ مقامِ عیسویت کا ظہور ہوا۔ مگر اِس ظہور کا یہ مقصد نہ تھا کہ اس کے ذریعہ مقامِ عیسویت اَتمّ صورت میں ظاہر ہو بلکہ آئندہ زمانہ میں مقام عیسویت کا اَتمّ صورت میں ظہور مقصود تھا۔ اگر عیسیٰ اَتمّ صورت میں آتے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ نہ کہتے کہ

ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

پس کُنۡ فَیَکُوۡنُ تواتر اور تعدّد پر دلالت کرتا ہے اور صحیح معنی یہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں۔ اس میں آدمؑ اور مسیحؑ کی پیدائش کا تطابق بھی ہو جاتا ہے اور عقیدہ الوہیتِ مسیح کی بھی تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب تعدّد اور تواتر پایا گیا تو مسیحؑ اکلوتا بیٹا کہلانے کا حقدار نہ رہا جس کی وجہ سے اسے حقیقی بیٹا قرار دیا جاتا ہے۔"

حضور نے نماز جمعہ پڑھانے کے بعد فرمایا کہ:

"یَکُوۡنُ کے معنی اس جگہ محض مستقبل کے بھی اس آیت میں کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ یَکُوۡنُ کا لفظ اگر حضرت آدمؑ کی نسبت سمجھا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے آدمؑ کو پیدا کیا مگر ساتھ ہی کہا کہ کُنۡ تو صفتِ آدمیت کو بدرجۂ اَتَمّ ظاہر کیا۔ چنانچہ ایسا ہو کر رہے گا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ سے آدمؑ کی پیدائش کا مقصد بدرجہ اَتَمّ ظاہر ہو گا۔ اور اسی طرح مسیح علیہ السلام کے متعلق ہو گا۔ ان کو بھی پیدا کر کے ہم نے کہا کہ گو تجھے ایک روحانی مقام کا ابتدائی نقطہ ہم قرار دیتے ہیں۔ مگر تُو اِس کا اَتَمّ اور اکمل ظہور نہیں۔ بلکہ تجھے ہم کہتے ہیں کہ ہو۔ یعنی تیری روح اپنا پَرتَو دنیا پر ڈالتی رہے۔ جس طرح آدمؑ کی روح پَرتَو ڈالتی رہی یہاں تک کہ درجۂ اَتَمّ پر پہنچا ہوا وجود ظاہر ہو جائے۔ اور ایسا ہی مسیحؑ کے بارہ میں بھی ہو گا۔ یعنی عیسویت کے مقام کا انتہائی درجہ کا ظہور ایک زمانہ میں ظاہر ہو کر رہے گا۔ اور اس کا ظہور مسیح کے خدائی کے عقیدہ کو باطل اور پاش پاش کرنے والا ہو گا۔ پس یَکُوۡنُ کی نسبت اگر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کریں تو اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہے۔ اور اگر یَکُوۡنُ کی نسبت مسیح علیہ السلام کی طرف ہو تو اِس سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہے۔"

(روزنامہ الفضل قادیان مورخہ 18 جولائی 1945ء)

1: آل عمران:60

2: دیوان حضرت خواجہ معین الدین چشتی صفحہ 56 مطبوعہ نولکشور 1868ء

3: درثمین اردو صفحہ 58

4: کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 17 (مفہوماً)